پروفیسر ڈاکٹر شاداب احسانی
پروفیسر، شعبۂ اُردو
جامعہ کراچی

اکیسویں صدی میں اُردو زبان و ادب کے خدوخال

ABSTRACT

The Urdu language and literature scenario in the 21st century.
By Prof. Dr. Shadab Ahsani, Prof. Department of Urdu, University of Karachi.

With the onset of the 21st century, languages are facing new challenges. Urdu too is passing through a phase that is marked with new scientific and cultural phenomena. Globalisation is posing a threat to world languages. This article takes into account the history of the Urdu language, its script and certain features of the language to assess the situation and suggests some measures that can help Urdu literature and language face these challenges sucessfully in the scenario that may emerge in the years to come.

بولیوں اور زبانوں کا پس منظر آوازیں ہیں جبکہ آوازوں کا پس منظر اُن آوازوں سے جڑے ہوئے خطّوں کو سمجھنا چاہیے۔ آوازوں سے حروفِ تہجی یعنی رسم الخط کا اجرا اس خطّے سے مناسبت رکھتا ہے جس خطّے کی وہ آوازیں ہوتی ہیں۔ حروفِ علت یا vowels کا انحصار بھی آوازوں سے جڑے ہوئے خطوں کے باسیوں کی آوازوں کی ادائیگی پر محمول سمجھنا چاہیے۔ اکیسویں صدی تک آتے آتے بولیوں اور زبانوں کا پس منظر قصّۂ پارینہ ہو چلا اور لسانیات کے نام پر مختلف زبانوں کے حوالے سے مختلف خطّوں کی نشاندہی کی جانے لگی کہ یہ آوازیں اس خطّے کی ہیں (۱) جس کی محقق نے قرائن و شواہد کے ذریعہ ہمیں اطلاع فراہم کی۔ یہ نوعیتیں گریرسن (۲) سے لے کر تا حال جاری ہیں جبکہ سمجھنے کی بات یہ ہے کہ کسی بھی زبان کا خالص لسانی مطالعہ اس زبان کے خلاف علمی بد دیانتی کے مترادف اس لحاظ سے ہوگا کہ آج دُنیا گلوبلائزیشن کی زد پر ہے جیسا کہ بولیوں اور زبانوں کے آغاز کے ضمن میں کہا جا چکا ہے کہ آوازیں خطّوں سے مناسبت رکھتی ہیں اور اس خطّے کے کلچرل کے اظہار میں یہ آوازیں بنیادی نوعیت کی حامل ہوتی ہیں۔ یہی سبب ہے کہ ہم زبانوں کو قبیلوں میں تقسیم کر چکے ہیں اور ان قبیلوں کی ذیلی شاخوں کا قیام بھی عمل میں آ چکا ہے اسی مناسبت کو ملحوظِ خاطر رکھتے ہوئے اس حقیقت کو ہمیشہ پیشِ نظر رکھنا چاہیے کہ ہر زبان بااعتبارِ ساخت اپنا ایک مزاج رکھتی ہے ان معروضات کی روشنی میں زبانوں کے خالص مزاج کو سمجھنا آسان ہے جبکہ موجودہ صورتحال میں اس بات کو سمجھنا سہل نہیں ہے۔

اُردو زبان کا آغاز و ارتقا گلوبلائزیشن میں زبانوں کے اختلاط و ارتباط سے مماثلت لیے ہوئے ہے چھٹی صدی

قبل مسیح کا ہندوستان اصلاح کے ساتھ ساتھ بولیوں کی آزادی سے بھی ہمکنار ہوا۔ مختلف خطّوں کے بسنے والے اپنی اپنی زبانوں کے ساتھ زندگی کے سرد وگرم سے نبرد آزما رہتے ہیں لیکن جب یہ اختلاط وارتباط کے فطری عمل سے گزرتے ہیں تو نتیجتاً لہجوں اور آوازوں کا منتقل ہونا ناگزیر ہوجاتا ہے۔ تہذیبی سطح پر ہر تہذیب کے زیر اثر ہر خطّے میں مختلف زبانیں بولی جاتی ہیں لیکن تہذیبی خطّہ ہمیشہ ایک مرکزی زبان کے حوالے سے اپنے وجود کو قائم ودائم رکھتا ہے۔ اسی ضمن میں مردہ زبانوں اور زندہ زبانوں کے حوالے سے مطالعہ اور مشاہدہ کیا جاسکتا ہے۔ اُردو زبان بھی چھٹی صدی قبل مسیح کے بعد مرکزی زبان کی فطری ضرورت کے ضمن میں تولّد پذیر ہوئی بعد ازاں خطّے کے ترجمان کی صورت پشاور سے راس کماری تک بولی اور سمجھی جانے لگی۔ ''آبِ حیات'' میں محمد حسین آزاد نے اُردو کے مرکزی ہونے کی نشاندہی کچھ اس طرح کی کہ آج بھی اس سے انکار نہیں کیا جاسکتا۔ ملاحظہ ہو:

> ''اگر بیچوں بیچ ہندوستان میں کھڑے ہوکر آوازیں دیں کہ اس ملک کی زبان کیا ہے تو جواب یہی سنیں گے کہ اُردو، اس کے ایک کنارے سے مثلاً پشاور سے چلو تو اوّل افغانی ہے، اٹک اُتر و تو پوٹھوواری کچھ اور ہی کہتے ہیں۔ جہلم تک داہنے پر کشمیر پکار رہا ہے کہ یورولا، یورولا یعنی اِدھر آؤ، بائیں پر ملتان کہتا ہے کتھے گھنیا، یعنی کہاں چلے؟ آگے بڑھیں تو وہ بولی ہے کہ پنجابی خاص اسی کو کہتے ہیں کہ اس کے بائیں پر پہاڑی ایسی زبان ہے کہ تحریر وتقریر سب سے الگ ہے۔ ستلج اُتری تو پنجابیت کی کمی سے لوگوں کی وضع ولباس میں بھی فرق شروع ہوتا ہے، دلّی پہنچے تو اور ہی سماں بندھا ہوا ہے، میرٹھ سے بڑھے تو علی گڑھ میں بھاشا سے ملا جلا پورب کا انداز شروع ہوگیا کانپور، لکھنؤ سے الٰہ آباد تک یہی عالم ہے جنوب کو ہٹیں تو مارواڑی ہوکر گجراتی اور دکھنی ہوجاتی ہے پھر ادھر آئے تو آگے بنگلہ ہے اور کلکتہ پہنچ کر تو عالم گوناگوں خلقِ خدا اور ملکِ خدا ہے جس کا امتیاز حد انداز سے باہر ہے۔ (۳)''

اُردو زبان کے جائے تولّد کے بارے میں مختلف نظریات نے ایک ایسی فضا پیدا کردی کہ جس سے اُردو ایک بے ٹھکانہ زبان کے طور پر ذہنی تعصّبات کی نمائندہ ہوتی چلی گئی۔ اُردو زبان کی آرائش دکن، دلّی، لکھنؤ اور لاہور میں ہوئی۔ شمالی ہند اور جنوبی ہند بالخصوص دکن کے کلچر کے فروغ میں اُردو زبان نمایاں حصہ دار رہی جبکہ مشرقی اور مغربی پنجاب کا کلچر بھی اس زبان کے ذریعے ہندوستان کے مختلف خطّوں میں پہچانا جاتا رہا اس کے علاوہ دیگر زبانوں کے ساتھ اُردو زبان کا تال میل ضرورتاً یا مذہباً جاری وساری رہا۔ گستاؤلی بان (۴) کے اعداد وشمار یہ بتاتے ہیں کہ اُردو ہندوستان کی واحد زبان ہے کہ جسے پورے ہندوستان کو آپس میں جوڑنے کا شرف حاصل رہا اور ہے۔ بولی وڈ کی ہندوستان میں مرکزیت بھی

اُردو زبان کی رہینِ منت ہے ان اعداد وشمار اور موجودہ خطّے میں اُردو زبان کے چلن کو دیکھتے ہوئے یہ نتیجہ اخذ کرنا کہ ہم اُردو کو صرف رابطے کی زبان سمجھتے ہیں نہایت گمراہ کن ہے۔ رابطے کی زبان کہیں بھی کسی بھی جگہ دورانِ مسافت مسافروں کے درمیان پیدا ہوتی ہے اور مرجاتی ہے جبکہ یہ کیسی رابطے کی زبان ہے کہ ہر کس و ناکس کے لیے اس کا سیکھنا، سمجھنا نہایت آسان ہے(۵) اس کا مطلب یہ ہوا کہ اُردو زبان اس خطّے کے خمیر سے جڑی ہوئی ہے اور مرکزی زبان کی صورت میں ظہور پذیر ہونا بولیوں کو بڑھاوا دینے کے مترادف ہے اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ کسی خطّے میں اگر کوئی زبان مرکزی حیثیت سے فروغ پا رہی ہو تو کیا دیگر زبانیں اس کی مخالف ہوں گی یقیناً نہیں دیگر زبانوں کی معاونت کے بغیر اُردو زبان اس حیثیت واہمیت کی حامل قطعاً نہیں ہوسکتی تھی پھر آج یہ جھگڑا، تعصّبات کیسے؟ ان تعصّبات کے پیچھے صدیوں کی وہ گلوبل سازش(۶) ہے کہ جس سے ہندوستان کے باسی اکائی کی صورت میں زندگی گزارنے کے اہل نہیں رہے کیونکہ زبان مذہب سے بڑی اکائی بناتی ہے پھر یہ کہ وطنیت کے تصورات میں زبان حب الوطنی کا بنیادی حوالہ بنتی ہے اس اعتبار سے فرانسیسی جنرل ڈوپلے کا تقسیم کرو اور حکومت کرو (Divide and rule) کا فارمولا اُردو زبان پر بھی آزمایا گیا اور لسانیاتی مطالعوں نے دانش کی سطح پر ہندوستانی اکائی میں دراڑ ڈال دی معاونت کرنے والی زبانوں کے بولنے والے دانشور بھی اس لپیٹ میں آ گئے اور انھوں نے اُردو زبان سے زیادہ انگریزی کو فوقیت دینا شروع کیا یہیں سے تقسیم در تقسیم کا نہ ختم ہونے والا سلسلہ شوع ہوا۔ اُردو کی مخالفت بھی کرتے ہیں اور اُردو کے بغیر کام بھی نہیں چلتا!

اس صورتحال میں اُردو زبان کے رسم الخط کے حوالے سے نستعلیق کی وکالت کرنا بھینس کے آگے بین بجانے کے مصداق ہے جبکہ تیزی سے انگریزی لفظیات کا عمل دخل او۔اے لیول میں اُردو کو انگریزی میں پڑھانا اس خطّے کے لوگوں کو اپنی شناخت سے عاری کرنا ہے یورپ چھ سو برس قرونِ مظلمہ (Dark Ages)(۷) میں پھنسا رہا تب ہی ہمیں اُن قرونِ مظلمہ کے اسباب وعلل جاننے کی خواہش بھی کرنا چاہیے۔ خدا جانے ہم کتنی صدیاں قعرِ مُذلّت میں گزاریں گے۔ اُردو نے نکلنے کا راستہ فراہم کیا تھا جسے ہم نے خود تاریک کر دیا۔ آج صورتحال یہ ہے کہ گزشتہ پچاس برسوں کی تحریریں پڑھنے کے لیے لغات کی ضرورت آن پڑتی ہے اور روزمرّہ بول چال اور محاورہ بھی تیزی سے تبدیل ہوتا جا رہا ہے شعراء کا کلام مشاعراتی فضا میں واہ سے ضرور ہمکنار ہوتا ہے لیکن معاشرے پر اس کے اثرات ویسے نظر نہیں آتے۔ ادباء کی تحریریں ڈرائنگ روم کی زینت ضرور ہیں لیکن اب ہمارے پاس اکیسویں صدی کے حوالے سے نہ کوئی ایسا شاعر نہ کوئی ایسا ادیب ہے جس کی کتاب کو Best Seller کہہ سکیں۔ جن شعراء وادباء کا ہم ذکر کرتے ہیں وہ اسّی اور نوّے کی دہائی میں مقبول ہو چکے تھے جبکہ فیض صاحب کا قبیلہ اس سے بھی پہلے کی بات ہے۔ اگر شہرت کے حوالے سے بات کی جائے تو شاید دانش وبینش نہ ہونے کے سبب ہم سب انگریزی میڈیا کو حرزِ جاں بنائے ہوئے ہیں۔ کسی بھی شعبے کا بڑا آدمی ہو اس کی شناخت اُردو میڈیا کے بغیر ممکن نہیں بنائی جاسکتی۔ اُردو زبان نے خطّے میں جو فکری توانائی کا ایک سیلِ بے کنار پیدا کر دیا تھا اب وہ خشک ہوتا جاتا ہے

صرف انگریزی بول کر اپنی قابلیت کا لوہا منوایا جاسکتا ہے اس فضا میں اُردو لغات اور رسم الخط میں آوازوں کی کیفیات کو پرکھنے اور سمجھنے والے سماعتوں سے عاری ہو چکے ہیں سوشل میڈیا کا بہاؤ ایک نیا جہانِ اُردو پیدا کرتا نظر آتا ہے ماضی کی طرح مشاعرے یا ادبی محافل میں نئی نسل کی دلچسپی اس طرح نظر نہیں آتی لیکن سوشل میڈیا میں نوآموز شعراء ادباء اپنی اپنی تخلیقات پر داد کے منتظر رہتے ہیں تو یقیناً اُردو زبان وادب کے مسائل کہ جو اُردو رسم الخط اور لغات سے جڑے ہوئے ہیں سوشل میڈیا سے گزر کر ہی آنے والے کل میں طے ہوسکیں گے فیصلہ کن مرحلہ مادری زبانوں کے حق کو تسلیم کر لینے کے بعد ہی ممکن ہو سکے گا اُمید یہی رکھنی چاہیے کہ مادری زبانیں جو مرکزی زبان اُردو کی معاون زبانیں ہیں یقیناً آنے والے کل میں دانشوروں کی دانش سمت کا تعین کر دیں گی ہم سب کو مادری زبانوں کو خوش آمدید کہنا چاہیے اور ان کے فروغ میں اُردو کے کردار کو اُجاگر کرتے ہوئے ارتباط و اختلاف کے فطری سوتوں کو نہیں روکنا چاہیے بعد ازاں اُردو کے تین رسم الخط اور آج کی روزمرّہ اور مادری زبانوں کے تال میل سے ایک نیا راستہ بنانے میں کامیابی ہو جائے گی اس ضمن میں مادری زبانوں کا عالمی دن منانا اُردو کے پاسداروں کی بھی اہم ذمہ داری قرار دیا جانا چاہیے۔

مادری زبانوں کا عالمی دن (۸) ہر سال آتا ہے لیکن کچھ عرصہ سے اور بالخصوص ۲۰۱۵ء میں اس عالمی دن کے موقع پر پاکستان کی مادری زبانوں پر سیمینار منعقد کیے گئے اور کیے جائیں گے۔ یہ سب کچھ (UNESCO) کے تحت عالمی سطح پر سپر پاورز کے عالمی ایجنڈے کی تکمیل کے لیے بھی ناگزیر نظر آتا ہے زمانہ بدل چکا ہے اور اب ترقی یافتہ ممالک ترقی پذیر ممالک کو دانش کی سطح پر زیر اثر لانے کی سعی کرتے ہیں۔ دانش کی سطح پر ذہنی غلامی صدیوں تک ترقی یافتہ ممالک کے اقتدار کو یقینی بنا سکتی ہے اس ضمن میں مادری زبانوں کی اہمیت اور افادیت سے بھلا کس کو انکار ہو سکتا ہے لیکن جس خطّے میں مادری زبانیں پائی جاتی ہیں وہاں یقیناً انگریزی کے علاوہ بھی کوئی اور زبان مرکزی حیثیت کی حامل ہوتی ہے جو انگریزی سے زیادہ مادری زبانوں کے کلچر کو اور اس خطّے کے کلچر کو اکائی کی صورت بخشنے میں مرکزی کردار اَدا کرتی ہے اسی بات کے پیشِ نظر ایسے ممالک نے جنھوں نے انگریزی کے علاوہ ترقی کی ہے مذکورہ اصول کو ہی پیشِ نظر رکھا ہے ان معروضات کی روشنی میں اکیسویں صدی میں اُردو کا احوال بااعتبارِ رسم الخط رومن، دیوناگری اور نستعلیق سے جڑا ہوا ہے اس کے اسباب و علل پر غور کرنے سے یہ بات ذہن میں آئی کہ ٹیکنالوجی کی زبان رومن رسم الخط کی حامل ہے جبکہ ہندوستان کو جتنی اُردو (ہندی) کی ضرورت ہے اتنی ہی حُب الوطنی (Nationalism) کی بھی! جبکہ پاکستان کے خمیر میں اُردو نظریے سے جڑی ہوئی ہے اس لیے ہونا تو یہ چاہیے تھا کہ اس نظریے کا اطلاق کیا جاتا اور اُردو کو خواندگی سے لے کر اعلیٰ تعلیمی ضرورتوں کی تکمیل کے لیے دیگر مادری زبانوں کے ہم رکاب بنایا جاتا اس کا نتیجہ یہ ہوتا کہ پاکستان ترقی کے ساتھ ساتھ حُب الوطنی کی نعمت سے بھی بہرہ مند ہو چکا ہوتا لیکن افسوس ایسا نہ ہوسکا۔

اکیسویں صدی کے اس منظر نامے میں رسم الخط کے مباحث سوال در سوال، جواب در جواب کا ایک نہ ختم ہونے

والا سلسلہ تا حال جاری ہے جبکہ اکیسویں صدی کا اُردو میڈیا بھی غلط تلفظات کے ابلاغ پر ثقہ ادیبوں کی زد پر ہے اس ضمن میں غور کرنا ہوگا کہ عوام لغت کے پیچھے چلتی ہے یا لغت عوام کے حوالے سے زندہ رہتی ہے روزمرّہ بول چال کی زبان کو فصاحت سے تعبیر کرنے والے اس بات کو صحیح معنوں میں سمجھ سکتے ہیں اُردو لغت بورڈ کا ۲۲ جلدوں میں یہی کارنامہ ہے کہ اُردو لغت بورڈ نے نہ صرف لغت کی تدوین کے اصولوں کو ملحوظ رکھا ہے بلکہ عوامی بول چال کو بھی نظر انداز نہیں ہونے دیا اس صورتحال میں اُردو ایک ایسی بدقسمت زبان ہے کہ تلفظات کے ذیل میں ہم اس زبان کو معیار قرار دیتے ہیں جس زبان کا لفظ اُردو میں ضم ہو جاتا ہے اس حوالے سے ہونا تو یہ چاہیے کہ ضم ہونے والا لفظ اُردو زبان میں کس طرح اَدا کیا جا رہا ہے لہٰذا اسی تلفظ کو معیار سمجھنا چاہیے(۹) جس طرح تقریباً دو سو برس قبل آتش اور آتش کا قضیہ طے ہو چکا ہے کہ آتش بھی بااعتبارِ تلفظ اُردو میں درست ہے مزید یہ کہ ہم جہاں ہر سطح پر انگریزوں کی پیروی میں پیش پیش ہیں وہیں ہم تلفظات کے معیارات کے حوالے سے انگریزی لغت نگاروں کے ان معیارات کو اپنا لیں کہ جو لفظ انگریزی میں داخل ہو کر انگریزی کا ہو جاتا ہے اس کی سند کے لیے انگریزی ہی اہم ہوتی ہے۔ فرانسیسی، لاطینی، یونانی وغیرہ کی نوعیت لفظ شناسی کے ضمن میں محققانہ اہمیت سے زیادہ نہیں رہتی۔ اکیسویں صدی میں انفارمیشن ٹیکنالوجی کے اثرات یہ بتا رہے ہیں کہ گلوبل ولیج کا قائم ہو جانا بعید از قیاس نہیں لیکن اس گلوبل ولیج میں مختلف خطّے ٹیکنالوجی سے بہرہ مند ہوتے ہوئے اپنی اپنی شناخت بھی برقرار رکھنے میں کامیاب رہیں گے اس کی سب سے مضبوط دلیل یہ ہے کہ آرنلڈ جے ٹوائن بی (۱۰) کے مطابق انسانوں کی نفسیات پر جغرافیہ براہِ راست اثر انداز ہوتا ہے یعنی میدانی، پہاڑی اور ریگستانی علاقوں میں بسنے والوں کی نفسیات یقیناً مختلف ہوتی ہے اور ان علاقوں کے رسم ورواج بھی جغرافیہ کے رہین منت ہیں اور اسی جغرافیہ کو کلچر کی بنیاد قرار دیا جا سکتا ہے اسے انفارمیشن ٹیکنالوجی کے حوالے سے بعینہٖ فاتح اور مفتوح کے کلچر کی کیفیات پر محمول کیا جا سکتا ہے۔ ہندوستان میں وسطی ایشیا کے فاتحین کے کلچر نے فارسی زبان کے ذریعے فروغ پایا جیسے آج انگریزی ہے اُسی طرح فارسی بھی اس زمانے میں روزگار کی زبان سمجھی جاتی تھی کیا فاتحین کی آمد نے مفتوحین کے کلچر کو ختم کر دیا؟۔۔۔نہیں! بلکہ ان فاتحین کے ذریعہ ہندوستانی کلچر میں ایک نئی زندگی آئی اور وہ زبان جسے سنسکرت کہا جاتا تھا اور خطّوں کی وہ بولیاں جنھیں ہند آریائی کہا جاتا تھا وہ سب کی سب کسی نہ کسی انداز میں فروغ پاتی رہیں البتہ بولیوں کو علمی حیثیت نہ مل سکی جبکہ بقول امیر خسروؒ فارسی پشاور سے راس کماری تک ایک معیار اور ایک ہی انداز کی حامل رہی بعد ازاں انگریزوں اور انگریزی کا احوال ہمارے سامنے ہے آج کی دُنیا ماضی کے حملوں یا فاتحین جیسی نہیں بلکہ علم ودانش کے ذریعہ قوموں پر اپنا تسلط قائم کرنے کا معاملہ ہے یعنی آج کا فاتح سائنس وٹیکنالوجی پر اپنی گرفت مضبوط کیے ہوئے ہے ان معروضات کی روشنی میں اُردو رسم الخط اور زبان وادب کے ان معیارات کو دیکھنا ہوگا جو ٹیکنالوجی کی اہمیت کے لیے آمادہ کرنے میں فعال کردار اَدا کر رہے ہیں ہر نامور ادیب یا شاعر اپنی آئی ڈی کے ساتھ فیس بک پر موجود ہے۔ اس فیس بک کے ذریعے اسکینڈینیوین ممالک سے لے کر ماریشش کے

جزائر تک اُردو میں ایک دوسرے سے نہ صرف تبادلۂ خیال کر رہے ہیں بلکہ زبان وادب کے مسائل پر بھی مباحث کا سلسلہ جاری ہے اس صورتحال میں اکیسویں صدی کے اختتام تک یقیناً رسم الخط کے مباحث ہوں یا لغت نویسی کے مسائل، ٹیکنالوجی کو نظر انداز نہیں کیا جا سکے گا اور عوامی سطح کے الفاظ کے بھی لغات میں شامل ہونے کا امکان پیدا ہو چلے گا جبکہ شعراء اور ادبا اظہار کی گنجلک وادیوں سے نکل کر اس اظہار کی طرف متوجہ ہوں گے کہ اُن کی تخلیقات زیادہ سے زیادہ لوگوں تک پہنچ سکیں اور ان کی تفہیم ہو سکے۔ صحافت کے عامیانہ پن کے بعد اُردو زبان کے شعراء اور ادباء کو اپنی بات پہنچانے میں یقیناً دُشواری پیش آ رہی ہے وہ سماعتیں مفقود ہو گئیں کہ جو علمِ بیان سے پیدا ہونے والی رنگا رنگ معنویت کو ادبی اظہار کا خاصہ جانتی تھیں اس فضا میں تینوں رسم الخط سے واقفیت اور لغت کو زیادہ سے زیادہ عوامی بنانے کا اہتمام کیا جائے تو ادب کا سماج میں غیر متعلق ہو جانے کا اندیشہ بھی آہستہ آہستہ ختم ہوتا چلا جائے گا اس کا نتیجہ یہ نکلے گا کہ اُردو زبان کو بھی کوئی نہ کوئی ورڈ زورتھ میسّر آ جانے کا امکان ہوگا اور یہ تقسیم در تقسیم کا سلسلہ مرکزی زبان اُردو کے ذریعہ کہیں نہ کہیں رکنے کے عمل سے گزرتا ہوا ماضی کی طرح اکائی میں ڈھل جائے گا مادری زبانوں کا معاملہ اُردو سے جڑ کر ایک ایسی شناخت بنے گا کہ جس سے بائیسویں صدی میں اس خطّے میں نہ صرف ترقی ہوگی بلکہ زبان وادب کی فضیلت کو بھی مستحکم کرنے کا باعث ہوگی۔

حواشی:

(۱) ''برّصغیر پاک وہند کے لوگ اس بنا پر خوش قسمت ہیں کہ ہر طرح کی آوازیں ادا کرنے کے اہل ہیں چنانچہ اگر ایک طرف سنسکرت اور دراوڑی الفاظ سے مخصوص کرخت اصوات اَدا کر سکتے ہیں تو دوسری طرف عربی، ترکی، فارسی اور مغربی زبانوں سے مخصوص آوازیں بھی حلق سے نکال سکتے ہیں۔ اُردو کے حروفِ تہجی اس امر کے مظہر ہیں کہ یہاں کے باشندے تعداد میں کئی اصوات کی ادائیگی پر قادر ہیں۔ اُردو زبان میں دُنیا کی ہر زبان کا لفظ اپنا اصل لہجہ برقرار رکھتے ہوئے اَدا ہو جاتا ہے۔'' سلیم اختر، اُردو زبان کی مختصر ترین تاریخ (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء)، ص ۲۲۔

(۲) جارج ابراہم گریرسن ولادت ۱۸۵۱ء آئرلینڈ کے شہر ڈبلن میں پیدا ہوئے ان کی وفات ۱۹۴۱ء میں ہوئی۔ ۱۸۱۷ء میں انڈین سول سروس میں امتیازی نمبروں سے کامیاب ہوئے انھیں سنسکرت اور ہندوستانی زبانوں پر مہارت تھی۔ انھیں پٹنہ بہار میں مجسٹریٹ اور کلکٹر کے عہدوں پر فائز کیا گیا۔ ۱۸۹۸ء میں جارج ابراہیم گریرسن بحیثیت سپریٹینڈنٹ لینگوسٹک سروے آف انڈیا مقرر ہوئے۔ اس سروے کی اشاعت ۱۱ جلدوں میں ہوئی اور یہ ۱۹ حصوں پر مشتمل ہے اس میں گریرسن نے ہندوستان کی ۳۶۴ زبانوں اور ان کے خاندانوں سے متعلق تحقیق کو موضوع بنایا ہے۔ مزید تفصیل ملاحظہ کیجیے:

George Abraham Grierson: Dictionary of Irish Biography. Vo:III, Royal Irish academey-Cambridge University Press. 2009

georgeabrahamgrierson-wikipediathefreeencylopedia

(۳) محمد حسین آزاد، آبِ حیات (لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء)، ص ۵۸۔

(۴) فرانسیسی محقق گستاوُلی بان کی تحقیق ۱۸۶۲ء کے مطابق ''ہندوستان میں ۸ کروڑ ۲۵ لاکھ ہندوستانی (اُردو)'' بولنے والے ہیں۔ یہ تعداد دیگر تمام زبانوں یعنی بنگالی، تلنگی، پنجابی، ہندی، گجراتی، کنڑی، سندھی، مالیالم، اوڑیا، مراٹھی سے زیادہ تھی۔

سیّد علی بلگرامی (مترجم)، تمدنِ ہند (مصنف: گستاوَلی بان، ۱۸۶۲ء)، (کراچی: بک لینڈ، ۱۹۱۲ء)، ص ۳۴۳

(۵) ''اقوامِ متحدہ کے ذیلی ادارے کی ایک رپورٹ کے مطابق عام طور پر بولی اور سمجھی جانے والی زبانوں میں چینی اور انگریزی کے بعد دُنیا کی تیسری بڑی زبان ہے'' جواز جعفری، اُردو ادب یورپ اور امریکہ میں (لاہور: ادب عالیہ، ۲۰۱۰ء)، ص ۵۲۵۔
نیز ملاحظہ کیجیے: انعام الحق جاوید، بیرونِ ممالک میں اُردو (اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء)

(۶) ''جب انگریزوں کی سیاسی (اور کسی حد تک لسانی) پالیسی کے نتیجے میں نفاق کے بوئے ہوئے بیج کانٹوں بھری فصل لائے تو اگر ایک طرف ہندو مسلم اتحاد پارہ پارہ ہوا اور نسلی اور مذہبی فسادات عام ہوئے تو دوسری طرف بعض رہنماؤں نے دیگر امور کے ساتھ ساتھ زبان کے اشتراک سے اس نفاق کو اتحاد میں تبدیل کرنے کی کوشش کی اور اس مقصد کے لیے اُردو اور ہندی دونوں ترک کر کے ہندوستانی اپنانے کی تلقین کی گئی'' سلیم اختر، اُردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، ص ۵۹۔

(۷) Oxford English Dictionary, 2nd edition, Oxford University Press, 1989.

(۸) مادری زبانوں کا عالمی دن ۲۱ر فروری کو ہر سال یونائیٹڈ نیشنز ایجوکیشنل سائنٹفک اینڈ کلچرل آرگنائزیشن (UNESCO) کے تحت مادری زبانوں کی ترویج و اشاعت کے لیے منایا جاتا ہے۔

(۹) ''عربی کے جو الفظ فارسی سے یا سریانی سے، عبرانی سے، ہندی سے آئے ان کے تلفظ اور معنی دونوں کے تعین کا حق اب اہلِ عرب کو حاصل ہو گیا ہے یا وہ الفاظ بہ دستور انھی دوسری زبانوں کے قاعدوں کے اسیر رہے ہیں۔ انگریزی میں سینکڑوں ہزاروں لفظ لاطینی سے، یونانی سے، سنسکرت سے، عربی سے آئے ہیں، سب لفظوں کے تلفظ و معنی میں تصرف کا پورا حق انگریزوں کو حاصل ہو گیا ہے یا نہیں؟ یہ ظلم آخر اُردو پر کب تک جاری رہے گا کہ جس لفظ کو وہ چاہے جتنا اپنا لے، لیکن اسے بولتے ہوئے وہ پابند دوسری زبانوں کی رہے گی اور اس کی تذکیر و تانیث میں اس کے اعراب میں اس کی جمع بنانے میں اسے حالت ترکیب میں لانے میں، اُردو والے بے بسی سے منھ دوسروں کا ہی دیکھتے رہیں گے، ذرا کسی دوسری زبان والے کے سامنے یہ اصول بیان کر کے تو دیکھیے کہ لفظ آپ کا لیکن اس کا املا، اس کا تلفظ، اس کی گرامر، سب دوسروں کی!'' عبدالماجد دریا آبادی، آخر اُردو پر یہ ظلم کب تک، مشمولہ ماہنامہ تحریک (دہلی: جولائی ۱۹۶۴ء)

(۱۰) غلام رسول مہر (مترجم)، مطالعہ تاریخ (ترجمہ و تلخیص) (مصنف: آرنلڈ جے ٹائن بی: اے اسٹڈی آف ہسٹری ۱۲ جلد)، اُردو سائنس بورڈ۔

مآخذ:

آزاد، محمد حسین، آبِ حیات، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۰ء۔
اختر، سلیم، اُردو زبان کی مختصر ترین تاریخ، لاہور: سنگ میل پبلی کیشنز، ۲۰۰۸ء۔
جاوید، انعام الحق، بیرون ممالک میں اُردو، اسلام آباد: مقتدرہ قومی زبان، ۱۹۹۶ء۔
جعفری، جواز، اُردو ادب یورپ اور امریکہ میں، لاہور: ادب عالیہ، ۲۰۱۰ء۔
دریا آبادی، عبدالماجد، آخر اُردو پر یہ ظلم کب تک، مشمولہ ماہنامہ تحریک، دہلی: ۱۹۶۴ء۔
گریرسن، جارج ابراہام (George Abraham Grierson)، ڈکشنری آف آئرش بائیو گرافی (جلد سوم)، رائل آئرش اکیڈمی، کیمبرج یونی ورسٹی پریس، ۲۰۰۹ء۔
لی بان، گستاو (Gustave Le Bon)، تمدنِ ہند، سیّد علی بلگرامی (مترجم)، کراچی: بک لینڈ، ۱۹۱۲ء۔
مہر، غلام رسول (مترجم)، مطالعہ تاریخ، ترجمہ و تلخیص، اُردو سائنس بورڈ۔